POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 24-25 September 2026, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

HAMARI ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 87 واں سال

Date of Publication: 23-09-2026 • Price: 5/- • 1-7 October 2026 • Issue: 37 • Vol:85

یکم تا ۷/اکتوبر ۲۰۲۶ء • شمارہ:۳۷ • جلد:۸۵

جدید شاعری کے منفرد تیور کا فن کار: ظہیر غازی پوری

پروفیسر منظر حسین

1960 کے بعد جدید اردو غزل کو مستند اور معتبر بنانے میں جن فنکاروں نے اپنی بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں کو بروے کار لا کر جدید شاعری کے دامن کو وسیع کیا۔ اپنے نئے تجربات و احساسات کے توسط سے جدید غزل کو نئی زبان اور نیا آہنگ بخشا۔ زبان کے تخلیقی استعمال سے معانی و مفہوم کے نئے امکانات روشن کیے۔ موضوع اور اسلوب دونوں سطحوں پر اپنے منفرد تیور کا ثبوت دیا۔ بلاشبہ ان میں ایک اہم اور نمایاں نام ظہیر غازی پوری کا ہے۔ میں بلا تامل انھیں 1960 کے بعد جدید غزل گویوں میں ایک اہم ترین فنکار تصور کرتا ہوں۔ میرے اس دعوے سے مجھے کوئی مصلحت، کوئی خوف یا کوئی طنزیہ ریمارکس باز نہیں رکھ سکتا۔

ظہیر غازی پوری کا پورا نام ظہیر عالم انصاری اور تاریخ پیدائش 8 جون 1938 ہے۔ پیدائش غازی پور (یو پی) میں ہوئی۔ والد کا نام الحاج عبدالحئی انصاری تھا۔ بی.اے. تک تعلیم حاصل کی۔ رزاقِ ازل نے ان کی قسمت کے دانے جھارکھنڈ کے پہاڑوں پر بکھیر رکھے تھے لہٰذا انھیں چننے کے لیے ہزاری باغ کا رخ کیا۔ بہار سرکار کے محکمۂ ٹرانسپورٹ میں تقرر ہوا اور ترقی پاکر آفس سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر سرفراز ہوکر 1996 میں ملازمت سے سبکدوش ہوگئے اور مستقل طور پر ہاشمیہ کالونی پکمل (ہزاری باغ) میں سکونت اختیار کی۔ ان کا انتقال 3 نومبر 2016 کو ہزاری باغ میں ہی ہوا اور یہیں سپردِ خاک کیے گئے۔

ظہیر غازی پوری کی علمی، ادبی و شعری فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ وہ کثیر الجہت فنکار تھے اور اردو ادب و شاعری کو کئی جہتوں سے مالا مال کیا۔ ان کی مطبوعہ تصنیفات، تالیفات کی فہرست اس طرح ترتیب دی جاسکتی ہے: (1) تثلیثِ فن (نظموں کا مجموعہ 1971)، (2) الفاظ کا سفر (نظموں اور غزلوں کا مجموعہ 1976)، (3) آشوب نوا (غزلوں کا مجموعہ 1978)، (4) کہرے کی دھول (نظموں کا مجموعہ 1986)، (5) سبز موسم کی صدا (غزلوں کا مجموعہ 1990)، (6) دعوت صد نشتر (رباعیات کا مجموعہ 1997)، (7) لفظوں کے پرند (نظموں کا مجموعہ 1998)، (8) مطالعۂ اقبال کے بعض اہم پہلو (تنقید 2003)، (9) اردو ہے ایک تنقیدی جائزہ (تنقید 2005)، (10) رمنیکا گپتا کی ہندی نظموں کا ترجمہ (ترجمہ 2005)، (11) نوائے خاموش (تالیف 1985) اور (12) جھارکھنڈ اور بہار کے اہم اہلِ قلم (تنقید 2009)۔

ظہیر غازی پوری کی مذکورہ تصنیفات و تالیفات کے علاوہ ان کے فن اور شخصیت کے حوالے سے کئی کتابیں منظرِ عام پر آئیں۔ اردو کے کئی مؤقر رسالوں نے ان پر خصوصی گوشے شائع کیے۔ ملک کے کئی اداروں اور تنظیموں نے ادبی اعزازات سے بھی نوازا۔ کئی یونیورسٹیوں میں ان کی شخصیت اور فن کے حوالے سے تحقیقی کام بھی ہوئے۔ ظہیر غازی پوری نے اپنی شاعری کی اصلاح علامہ ابراحسنی گنوری سے لی۔ 1955 سے ہی ان کے تلامذہ میں شامل ہوگئے تھے۔

میری گفتگو کا موضوع موصوف کی غزلیہ شاعری کی انفرادیت ہے، لہٰذا میں اپنی باتوں کو موضوع تک ہی محدود رکھوں گا۔ ظہیر غازی پوری نے یوں تو غزل، نظم، رباعی میں اپنے قلم کی جولانیاں دکھائی ہیں لیکن بنیادی طور پر وہ غزل کے شاعر ہیں۔ ان کا شعری سفر نصف صدی پر محیط ہے۔ شعر و ادب کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اسی عہد میں کئی اہم ادبی تحریکات اور رجحانات کو فروغ ہوا۔ ترقی پسند تحریک، جدیدیت اور اس کے بعد مابعد جدیدیت کے رجحان نے اپنے اپنے نظریات کی تبلیغ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ روایت سے کنارہ کشی کا رجحان بڑھتا جارہا تھا۔ جدیدیت کی لہر شمس الرحمٰن فاروقی کی قیادت میں ترقی پسند ادب اور پرانے ادب دونوں سے نبرد آزما اور برسرِ پیکار تھی۔ نو دریافت راستوں میں ہیئت، مواد اور اسلوب ہر لحاظ سے شعری ادب کے نئے نئے پہلو سامنے آرہے تھے۔ سماجی، سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی اعتبار سے بھی یہ عہد بحران کا شکار تھا۔ قدریں ٹوٹ رہی تھیں۔ رشتوں کا انہدام ہورہا تھا۔ سیاست کی بوقلمونی معاشرتی زندگی کو پراگندہ کررہی تھی۔

ظہیر غازی پوری کی شاعری کا منظر نامہ روایت اور جدت کے امتزاج سے عبارت ہے۔ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں مگر ان کی انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی بات کو اپنے لہجے میں ادا کیا ہے۔ اسی لیے ان کی غزلوں میں جو فضا ملتی ہے وہ بالکل نئی نہ ہوتے ہوئے بھی ایک نوع کی تازگی کی حامل ہے۔ انھوں نے نئے طرزِ فکر، نئے طرزِ احساس اور کلاسکل رچے ہوئے مذاق کے ساتھ شائستہ لب و لہجہ اور دل نشیں اسلوب بیان کو اپنی شناخت بنائی ہے۔ ان کے تمام شعری مجموعے یقیناً اس جمالیاتی حس اور ذہنی بلوغت کی نشاندہی کرتے ہیں جس کی ہم ایسے فنکار سے بجا طور پر توقع کرسکتے ہیں، جس نے نصف صدی تک 'گزاری ہے اسی دشت کی سیاحی میں'۔

آیئے! ظہیر غازی پوری کی غزلیہ اشعار کے حوالے سے ان کے فکر و فن کی بلندی کا سراغ لگایا جائے۔ دیکھیے یہ اشعار:

گاؤں جھوٹا شہر کا بازار جھوٹا ہوگیا
آدمی سچا رہا کردار جھوٹا ہوگیا

جلتے جسموں کی مہک بعد میں پھیلی ہوگی
کوچۂ شہر تمدن میں دھواں تھا کتنا

کبھی انصاف پسندی نہ جسے راس آئے
ایسی بے رحم سیاست نہیں دیکھی جاتی

لوگ بیگانہ سہی لگتی ہے مجھ کو اپنی
بے کفن لاش پڑی ہے جو سڑک پر اب تک

تا حد نظر آگ ہیں شعلے ہیں دھواں ہیں
اس ملک کی قسمت میں ہے جلتا ہوا موسم

ظہیر غازی پوری کے ان اشعار میں طرزِ احساس کی شدت بھی ہے اور تجربات کی پہلوداری بھی۔ المناک کیفیات کو تخلیقی تجربے کا جس طرح حصہ بنایا گیا ہے اس سے یہ اشعار نہ صرف اپنے عہد کی روح کو اپنی گرفت میں لیتے ہیں بلکہ اس روح پر جو عذاب مسلط ہے ان کا ہمیں گہرا شعور بھی عطا کررہے ہیں۔ پہلے شعر میں اضطراب ہے لیکن توازن کے ساتھ۔ 'آدمی سچا رہا کردار جھوٹا ہوگیا' میں شاعر کا جو طنزیہ رویہ ہے وہ اس کی تحمل مزاجی کا اشاریہ بن جاتا ہے۔ دوسرے شعر میں بھی موجودہ عہد میں ماحول کی کثافت، فرقہ واریت کی زہرناکی کے روح فرسا احساس کو جس طرح اجاگر کیا گیا ہے، فن کار کے ذہنی تناؤ، برگشتگی کا غماز ہے۔ سیاسی بازی گری سے ہر باشعور انسان متفکر بھی ہے اور متردد بھی۔ تیسرے شعر میں جو عصری حسیت اور آگہی ہے وہ شاعری کی زمین میں نئے احساسات، نئی فکر کو جنم دیتی ہے۔ ظہیر غازی پوری کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ان کے یہاں یاس و حرماں اور قنوطیت شخصیت کو الجھاؤ میں ڈالے بغیر تجربہ اور ہمت میں استحکام عطا کرتے ہیں کیوں کہ وہ

...(بقیہ صفحہ 6 پر)

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کرسکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

جانتے ہیں کہ دنیا میں جب بھی ظلم بڑھا ہے تو ظلم کا خاتمہ ہوا ہے۔ ظہیر غازی پوری زندگی کے ہر محاذ اور ہر موڑ پر جینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ جذباتی کیفیات کے اظہار میں بھی کھرا پن ہے۔ چوتھے شعر میں ایک حساس اور باشعور انسان کی حیثیت سے جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے جو فن کار کی فعالیت، انسانی ہمدردی اور تحرک مزاجی کا پتا دیتی ہے۔ پانچویں اور آخری شعر کے دوسرے مصرع میں طنز و نشتریت کا جو لہجہ ہے، احساس کی جو شدت ہے، اس کی اثر انگیزی پر بھلا کس کو شک ہو سکتا ہے۔ آپ اتفاق کریں گے کہ ظہیر غازی پوری کے یہاں جدیدیت کا مروجہ لہجہ ہے لیکن اس میں کسی حد تک ان کی ذاتی آواز اور تجربہ بھی شامل ہے جس میں تلخی بھی ہے اور کرختگی بھی، لیکن جذبات کے والہانہ اظہار کے بجائے ان پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ 'اس ملک کی قسمت میں ہے جلتا ہوا موسم' کے مصرعے میں ان کی ثقافتی شائستگی انھیں خود کو مکمل طور پر ظاہر یا برہنہ کرنے کے بجائے چھپانے پر اکساتی ہے۔

ظہیر غازی پوری کے شعری محرکات خواہ کتنے ہی شدید رہے ہوں پیرایۂ اظہار میں ہمیشہ ایک خاص طرح کی نرمی، نغمگی اور پُر تکلف نفاست نظر آتی ہے۔ خود کہتے ہیں:

لے کے آیا ہوں ظہیر اپنی نوا کا شیشہ
آپ ناقد ہیں تو ہاتھوں میں اٹھائیں پتھر

بقول پروفیسر کرامت علی کرامت:

''موصوف کے مثبت رویے کا یہ عالم ہے کہ خود لہولہان ہو کے بھی اپنے جسم کے اندر صحرا کا سکون و قرار محسوس کرتے ہیں اور اپنی ذات میں سورج کی تمازت پوشیدہ رکھنے کے باوجود اپنے چہرے پر ہمیشہ تازگی کی ضیا بکھیرتے رہتے ہیں''۔

عشق اور معاملات عشق کے موضوع کے اردو کی غزلیہ شاعری میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ غزل نے اپنے ابتدائی دور سے ہی حسن و عشق کی داستان سرائی، معشوق سے محو گفتگو، پیکر حسن کی تعریف، جدائی کی تڑپ، وصال محبوب کی تمنا کے موضوع سے مزین کیا، لیکن جیسے جیسے غزل ارتقائی شکل اختیار کرتی گئی روایتی عشق کا تصور ناپید ہو گیا اور اردو غزل کا محبوب محض Use and Throw کی چیز بن کر رہ گیا۔ موجودہ عہد کا عاشق اپنے محبوب سے اُوب چکا ہے۔ محبوب کا رویہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتا گیا۔ آج کا محبوب اگر دنیوی بکھیڑوں کی بھیڑ میں گم ہو جائے تو کوئی غم نہیں۔ عاشق بھی اپنے کلیجہ کو مضبوط کر کے کہتا ہے 'جُتّی جان نہ سہی مُنّی جان ہی سہی'۔

ظہیر غازی پوری نے اپنی غزلوں میں عشقیہ جذبات و احساسات کے اظہار میں ندرت پیدا کی ہے جو ایک نئی چمک دمک اور ایک انوکھے پن کی مظہر بن جاتی ہے۔ دیکھیے یہ اشعار:

عشق میں کچھ ضبط گریہ چاہیے
موم سا اک نرم جذبہ چاہیے

احساس کے رستے سے خوشبو کا بدن گزرا
بستر کی شکن نے کی سانپوں کی پذیرائی

وہ کنایے، وہ اشارے، وہ ادائیں ان کی
آج ہم یار خوش اسلوب کی باتیں کریں

رات بھر تو کسی آہٹ کا دریچہ نہ کھلا
دن میں اب کون مرے کمرے میں در آئے گا

بدن کی لذت کہاں ابھی کائنات بھر تھی
نگاہ کا لمس بس حد التفات بھر تھی

رکتی ہوئی سی مجھ کو لگی نبض کائنات
شاید ترے خیال سے اُلجھا ہوا تھا میں

ان اشعار میں نہ تو ہیجان انگیز تصویریں ہیں اور نہ جسم کے تقاضوں پر بے تکلفانہ اظہار ہی ہے۔ ظہیر غازی پوری کی شاعری میں عشق کے تمام رویوں کے اظہار میں مثبت رجحان اور جمالیاتی احساس کا پتا چلتا ہے۔ انھوں نے عشق کے موضوع کو انسانی سطح پر محسوس کیا ہے۔ پہلے شعر کے دوسرے مصرعے 'موم سا ایک نرم جذبہ چاہیے' میں ایک ایسی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے جو دل میں اُتر جانے کی قوت رکھتی ہے۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے 'احساس کے رستے سے خوشبو کا بدن گزرا' میں جس طرح حسی پیکر کو ابھارا گیا ہے اور 'خوشبو کا بدن' کے شامی پیکر سے جو تقویت بخشی گئی ہے اس میں عشق کی دھمک بھی ہے اور کشش بھی۔ یہ مصرع فن کار کے جذبات و احساسات کی آتشیں لہروں کا اشاریہ بن جاتا ہے۔ تیسرا شعر محبوب کی شخصیت فن کار کے لیے جمالیاتی لذتوں اور لطافتوں کا مرکز بن گیا ہے۔ کنایے، اشارے، ادائیں کی ترکیب سے اپنے جمالیاتی شعور کا احساس دلاتے ہیں۔ ظہیر غازی پوری کی شاعری میں عشقیہ جذبات و کیفیات کے اظہار میں پاکیزگی اور ستھرے پن کا احساس ہوتا ہے۔ 'رات بھر تو کسی آہٹ کا دریچہ نہ کھلا' میں جو ٹیس ہے وہ عاشق کی بے اختیاری کا اشاریہ بن گیا ہے۔

ظہیر غازی پوری کی شاعری کی ایک اہم جہت استعاراتی انداز اور علامتوں کے ذریعہ پیکر تراشی بھی ہے۔ شاعری میں علامت پسندی کا آغاز فرانس میں انیسویں صدی کے اواخر میں ہوا۔ بودلیر نے اس کی ابتدا ضرور کی مگر ورلن، لوفورگ، راں بو، ملارمے اور والیری نے اس تحریک کو آگے بڑھانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اردو میں علامت پسندی کی ابتدا میراجی اور ن۔م۔ راشد کے علاوہ ایسے فنکاروں کی ایک طویل فہرست ہے۔

ظہیر غازی پوری کی شاعری میں استعارے، علامت، پیکر تراشی کے نمونے کافی مقدار میں ملیں گے۔ مثلاً ان کی شاعری میں آئینہ، خواب، لہو، سفر، سمندر وغیرہ استعاروں اور علامتوں کا اظہار مختلف جذبات و احساسات و کیفیات کے لیے ہوا ہے۔ یہ استعارے ہمارے ذہن کو ایک خاص سمت میں لے جاتے ہیں جس کی معنویت کی پرت در پرت تہیں کھلتی ہیں۔ 'آئینہ' جدید شاعری کا ایک مخصوص استعارہ ہے جو سچائی اور بے باکی کا اشاریہ بھی ہے اور کبھی انکشاف ذات کا وسیلہ بھی۔ یہ ایک ایسا استعارہ ہے جس کے توسط سے ظہیر غازی پوری نے معاصر زندگی کے کئی پہلوؤں کو منکشف کیا ہے۔ دیکھیے یہ اشعار:

زندگی مانگے ہے مجھ سے کیفیات آئینہ
خوں چکاں جب ہو گئی ہے خود ہی ذات آئینہ
ہیا یسا لگا کہ پہلے سے پہچان ہی نہ تھی
دیکھا جب آئینہ تو میں حیران رہ گیا
ہیآئینے کہتے نہیں لیکن مجھے معلوم ہے
ریت مجھ جیسی ہے پربت کی ہوا میری طرح

جدید غزل میں ایک اہم علامتی رجحان واقعہ کربلا اور اس کے متعلقات کو بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ ظہیر غازی پوری نے بھی اس سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ دیکھیے یہ شعر:

لہولہان بھی، پیاسا بھی، پُر سکوں بھی ہوں
خود اپنے آپ میں تاریخ کربلا ہوں میں

تلمیح شاعری کی ایک مشہور صنعت ہے۔ اس کے توسط سے تاریخی واقعات کو اشاروں میں بیان کیا جاتا ہے جس کی معنویت مسلم ہے۔ ظہیر غازی پوری کی شاعری میں بھی تلمیح کے اشعار مل جائیں گے جو ان کی فنی ہنرمندی پر دال ہیں۔ اپنے دعوے کے ثبوت میں چند اشعار پر اکتفا کرتا ہوں:

کیوں لیے بیٹھے ہو اک دامن یوسف کی مثال
کون اس دہر میں ناکردہ گناہی سے بچا

حسن تجدید محبت کے لیے مچلا ہے
اس کے ہاتھوں میں کوئی خام گھڑا دو یارو

پھر نظر آئی ہے تاریخ کے ماتھے پہ شکن
پھر مجھے زہر بھرا جام پلا دو یارو

آتش نمرود کا گلزار ہونا یاد رکھ
اور اپنے گرد شعلہ بار گھر بھی دیکھ لے

ظہیر غازی پوری کی شاعری میں استعارات و علامات یا تلمیح کی تفہیم کے سلسلے میں ترسیل کا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ یہ لفظیات ہماری روز مرہ کی زندگی سے اس قدر قریب ہیں کہ قاری کے لیے غیر ضروری طور پر بوجھل ثابت نہیں ہوتیں۔ آیئے اب اشعار کے حوالے سے ظہیر غازی پوری کے نظریۂ شاعری کا جائزہ لیا جائے۔ دیکھیے یہ اشعار:

شاعری حسن جاں سے خالی
جسم جیسے رگ جاں سے خالی

لفظ بے جاں کو بھی میں نطق و نوا دیتا ہوں
میرے مشرب میں ہے ناداریٔ افکار غلط

ظہیر غازی پوری کے یہاں شاعرانہ تعلّی کے اشعار کثرت سے ملتے ہیں بلکہ ہم انہیں نرگسیت سے موسوم کر سکتے ہیں۔ یہ عیب ہے ہنر نہیں۔ دیکھیے یہ اشعار:

نئے صحیفوں میں لکھا ہوا ملوں گا میں
مجھے نہ ڈھونڈیے دیمک لگی کتابوں میں

چھوڑ کر حصہ میرؔ و غالبؔ کا
ساغروں سے چھلک گیا ہوں میں

خود لوگ ظہیرؔ اب اسے محسوس کریں گے
آہنگ مرا دانش حاضر کی صدا ہے

ظہیر غازی پوری کی شاعری کے مطالعے کے بعد میں نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان کی غزلیہ شاعری شعری محاسن، فنی اسالیب، تجربات و مشاہدات کی عمق، معاصر زندگی سے آگہی، کلاسکی سج دھج، جدید لفظیات کے رموز و نکات کے برملا اظہار، نئی زبان کی مینا کاری، زندگی کی شناخت، الفاظ کے جدلیاتی استعمال، سہل ممتنع کی خوبی، سادہ بیانی، فن عروض پر مہارت، لہجے کے انوکھے پن اور توازن، احساس کی ندرت کے علاوہ مختلف صفات و کمالات سے مزین ہے۔ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے 'نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا' کے مصداق لکھا۔ ان کے یہاں اعتدال بھی ہے اور موضوعات میں تنوع بھی جسے وہ پورے احتیاط سے برتتے ہیں۔ جدید شاعری کے منفرد تیور کا فنکار تسلیم کرتا ہوں۔ ان کی شاعری ان کے نصف صدی کے تخلیقی تجربات کا نچوڑ ہے اور مکمل تفسیر بھی۔

سابق ڈین فیکلٹی آف ہیومنٹیز و صدر شعبۂ اردو، رانچی یونیورسٹی، رانچی
موبائل: 8210470292

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300 روپے

تیسری اور آخری قسط

علی احمد فاطمی کی 'اکبر شناسی'

اسیم کاویانی

یہ جو اکبر و اقبال کو پہلے مقام پر بٹھا کر فاطمی صاحب نے لکھا ہے کہ 'لیکن اس سے سرسیّد اور حالی کی قدر و قیمت کم نہیں ہوتی۔' (ص:186)؛ مجھے کسی شاعر کا یہ کہا یا دلاتا ہے کہ ع 'تمھیں تو چاہیے اے شوخ میٹھا بھی سلونا بھی!'۔۔ چوں کہ فاطمی صاحب ایک زمانے میں ترقی پسند بھی رہ چکے ہیں؛ اکبر و اقبال کو پہلے مقام پر پہنچا کر اُن کا دل گھبرایا ہوگا تو یہ کہہ کر توازن قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ 'اس سے سرسیّد اور حالی کی قدر و قیمت کم نہیں ہوتی۔' جب کہ انھیں پہلے مقام سے باہر کر کے وہ اُن کی قدر و قیمت پہلے ہی کم کر چکے ہیں۔ فاطمی پر کیا موقوف؛ ان کے پیر و مرشد اکبر بھی حالی کے کچھ خاص قدرداں نظر نہیں آتے۔ اکبر نے دیا نرائن نگم کو لکھا تھا: 'بے شک حالی گورنمنٹی یا اسکولی شاعر ہیں اور داغ درباری شاعر ہیں۔'[5] اور انھوں نے اردو تنقید کی کتابِ اوّل یعنی حالی کے مقدمے پر اپنے دوست مرزا سلطان احمد کے 'فنِ شاعری' نامی رسالے کو ترجیح دی تھی۔ انھیں قدیم رنگِ سخن پر حالی کی تنقید پسند نہیں آئی تھی۔ رہی اکبر کے ذریعے سرسیّد کی تحقیر و مخالفت؛ تو اس سلسلے میں دفتر کے دفتر لکھے جا چکے ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ چوں کہ اوراد و اوشعرا کی بہ نسبت اکبر، اقبال اور شبلی کے یہاں حبِّ اسلامی کے جذبات اور ملّت کے 'درد و داغ و سوز و ساز و آرزو' کی ترجمانی زیادہ بہتر ہوئی ہے؛ اس لیے وہی ہمارے ادبی و فکری سرگروہ ٹھہرے۔ ہمارے کلاسکی لٹریچر کے اثاثے کو کھنگالنے والے اسّی فی صد مصنّفین انھی کو اپنا موضوع بنائے جاتے ہیں؛ بقول شاعر:

اُسی کی یاد میں برتن بنائے جاتا ہوں
وہی جو چھوڑ گیا چاک پر گھما کے مجھے

(پون کمار)

فاطمی صاحب کا ایک تفصیلی مضمون 'اکبر و اقبال'؛ اُن دونوں مشاہیر کے تعلقات؛ ان کے تعلقات کے نشیب و فراز اور ان کی ایک دوسرے کی قدر شناسی پر شامل ہے۔ زیادہ تر کہی ہوئی باتیں ہیں، جن باتوں پر ملا اظہار نہیں ہوتا؛ وہ یہاں بھی غائب ہیں؛ مثلاً: اکبر آخر دم تک اقبال کے فلسفۂ خودی کے قائل نہیں ہوئے تھے اور خودی کے خلاف اُن کے یہاں درجن بھر اشعار موجود ہیں۔ وہ اقبال کو حافظ کا قائل کرانے میں کوشاں رہتے تھے۔ وہ اقبال کی ارادت مندی کے باوجود 'اسرارِ خودی' کو خواجہ حسن نظامی کے 'محرم نامہ' کے قبیل کی چیز سمجھتے تھے۔

پاکستانی ادیبوں کی اپنی سیاسی و سماجی مصلحتیں ہیں؛ جن کی بنا پر وہ پاکستان کی تشکیل کے جواز میں ہندستانی رہ نماؤں پر تبرّا بھیجتے رہتے ہیں۔ یہ امر حیران کُن ہے کہ علی احمد فاطمی نے سلیم احمد کے لکھے ہوئے مضمون میں گاندھی جی کے تعلق سے درجِ ذیل نازیبا بیان کو 'کس بنا پر' پتے کی بات' (فاطمی، ص:94) یا 'کام کی بات' کہہ کر سراہا ہے:

☆ دراصل گاندھی کی سیاست نے اس ہنگامے میں مسلمانوں کی قوت کو اپنے مفاد میں استعمال کرنے کی کوشش کی تھی اور اس نقطۂ نظر سے کہ اگر کامیابی ہوتی ہے تو مسلمان جمہوری نظام کے باعث اکثریت کے تابع رہیں گے اور اگر ناکام ہوئے تو بھی کم از کم یہ فائدہ پہنچے گا کہ مسلمانوں کی وہ علاحدہ سیاسی تنظیم جس کی بنیاد سرسیّد نے رکھی تھی؛ شکست ہو جائے گی۔ اکبر نے اسی بات کو سمجھ کر نصیحت کی تھی۔' (ص:94)

☆ 'مجھے تو یہاں اکبر کی ژرف نگاہی کی داد دینی ہے کہ انھوں نے گاندھی [کی] سیاست کو سمجھ لیا تھا۔ یہ بات آج مسلمان اچھی طرح جانتا ہے؛ لیکن اکبر نے اسے اس وقت سمجھا تھا جب اسے کسی نے نہ سمجھا تھا۔' (فاطمی، ص:95-94)

وطنِ عزیز میں مسلم شاہی کے خاتمے کے بعد؛ خراب و خستہ ہندستانی مسلمان کے لیے خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے آثار 'ایں ہم برسرِ الم' کی مثل تھے اور وہ وطنِ عزیز کی سیاسی تحریک سے بھی گریزاں تھے۔ گاندھی جی نے اُن کی تحریکِ خلافت کا ساتھ دینے کا وعدہ کر کے اُنھیں تحریکِ آزادی سے جوڑا تھا۔ اس کے بعد جو ہوا وہ تاریخ کا حصہ ہے۔ سلیم احمد کے پُرکھوں نے 'اکبر کی ژرف نگاہی' کی داد دیتے ہوئے مذہب کی بنیاد پر بنا پاکستان تو حاصل کر لیا؛ لیکن وہ بھی ایک مذہب کی بنیاد پر بنے پاکستان کو ایک نہیں رکھ سکے۔ ہندستانی مسلمان تو تقریباً آٹھ دہائیوں کے پست و بلند اور سرد و گرم دیکھ کر ان حقائق کو اچھی طرح سمجھ چکا ہے؛ پر پتا نہیں ہماری زبان کے نادان دانش وَر کب تک پاکستانیوں کی لَے میں لَے ملا کر ہندستانی مسلم قارئین کو پراگندہ فکری اور مسموم خیالی کا شکار بناتے رہیں گے!

فاطمی کی کتاب میں جہاں کہیں کوئی تفصیل طلب سنجیدہ پہلو معرضِ تحریر میں آیا ہے فاطمی نے گریزاں قلمی کا ایک عجیب طور اپنایا ہوا ہے؛ مثلاً:

☆ 'کچھ لوگ تو ترقی پسند تحریک کو سرسیّد کی روشن خیالی اور عقل پرستی کی توسیع بھی کہتے ہیں۔ خیر یہ ایک الگ بحث ہے۔' (ص:188)

☆ 'وہ اقبال کی خودی کو ذات و انانیت کے حوالے سے دیکھتے ہیں اور اپنی خودی یا خودشناسی کو مقامی تہذیب و ثقافت کے حوالے سے یہ ایک الگ بحث ہے اس پر گفتگو پھر کبھی۔' (ص:100)

☆ 'اسی طرح اقبال سے بھی جوش کی جو عقیدت تھی وہ کم ہوئی۔ خیر یہ ایک الگ موضوع ہے اس پر گفتگو پھر کبھی۔' (ص:66)

☆ '۔۔۔الگ سے موضوعات ہیں، ان پر گفتگو پھر کبھی۔' (ص:78)

اس طرح کی مثالیں دیکھ کر قاری سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ جو بات کرنی ہی نہیں تھی؛ اُسے چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی؟

کتاب کا آخری مضمون فاطمی صاحب نے اکبر کے ایک مسدّس 'گنجِ پنہاں' پر لکھا ہے؛ جس کا تذکرہ راقمِ تحریر 2001 میں شائع ہو چکی اپنی کتاب 'اکبرالہ آبادی: اپنی شکست کی آواز' میں کر چکا ہے؛ اگرچہ اس کا ذکر اکبر پر لکھی کتابوں میں شاید ہی کہیں آیا ہو؛ بہرکیف اس مسدّس کا 1941 کا پہلا اور دیگر متعاقب اڈیشن 'ریختہ' پر دیکھے/پڑھے جا سکتے ہیں اور یہ 'غائب و نایاب' نہیں ہے؛ جیسا کہ فاطمی نے اندیشہ جتایا ہے۔ راقم نے اس کتاب کے تعارف میں لکھا تھا:

'اکبر نے 1915 میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اجلاس ہفتم منعقدہ الہ آباد میں پڑھنے کے لیے ایک مسدّس 'گنجِ پنہاں'، 630 اشعار یا توّے بندوں کا تصنیف کیا تھا؛ مگر اپنی ناسازیِ طبیعت کی بنا پر اُسے پڑھے بنا ہی کسی کو سونپ کر چلے آئے تھے۔ ایک مدّت کے بعد 1941 میں اس مسدّس کو ناشر ایس محمد حسنین کان پوری نے رضا کمال بک ڈپو لاہور سے چھیانوے صفحات کے ایک کتابچے کی صورت میں شائع کیا تھا۔ اُس مسدّس میں اکبر کے لگ بھگ کُل دقیانوسی خیالات کا ملخص آ گیا ہے؛ جس میں مغربی تعلیم، تعلیمِ نسواں اور ترکِ پردہ کی مخالفت کا موضوع حاوی ہے۔'

('اکبرالہ آبادی: اپنی شکست کی آواز'، پہلا اڈیشن؛ ص:77-76)

فاطمی صاحب نے اپنے مضمون کی تمہید کے تقریباً سات صفحات میں اس مسدّس کے علاوہ جہاں کلامِ اکبر سے اپنی شیفتگی اور عقیدت پر دس مضامین لکھنے کی اپنی مہم (جواب دس سے تجاوز کر چکے ہیں۔) کا ذکر کیا ہے؛ وہیں اپنے نامساعد حالات اور ان کوششوں اور کلفتوں کی تفصیلات بھی تحریر کی ہیں کہ کلامِ اکبر اور اکبر پر لکھی کتابوں کی تلاش و جستجو نے انھیں کیسے کیسے کنوئیں جھُکوائے ہیں؛ جب کہ اکبر کی اور اُن پر لکھی ہوئی بیشتر کتابیں 'ریختہ' پر دستیاب ہیں۔

اکبر کی زبان زدِ عام؛ مغربی تہذیب سے نفرت، ترکِ پردہ اور تعلیمِ نسواں کی مخالفت اور سائنسی علوم و ایجادات سے مغائرت کو درکنار رکھیں تو بھی یہ دیکھ کر دل دہلتا ہے کہ وہ تو 'ترقی' کے تصور سے بھی کس قدر بدکتے تھے۔ انھیں یہ بات کھلتی تھی کہ ترقی؛ مذہب سے بڑی چیز ہوگئی ہے۔ اسی مسدّس کی چند مثالیں ہیں:

تُلے ہیں مٹانے کو احکامِ شرعی
کہ ہیں مختص الوقت ارکانِ دینی
نہیں اب ضرورت ذرا اُن کی باقی
اگر کچھ ہے واجب تو قومی ترقی
ترقی کا جو دل سے خواہاں نہیں ہے
ہماری نظر میں وہ انساں نہیں ہے
خلافِ شریعت؛ ترقی کا عنواں
بظاہر جو کہتے ہیں تعلیمِ نسواں
سب اسکول فیلو ہیں آپس میں بھائی
کوئی شیخ، سیّد ہوں یا دھوبی، نائی
نہیں قومیت میں چھٹائی بڑائی
نہ دُھنیا، جولاہا نہ کنجڑا، قصائی
ترقی کی گلیوں کے ہم تو گدا ہیں
ترقی پہ بس جان و دل سے فدا ہیں
چڑھا ہے ترقی کا وہ بھوت سر پر
کہ جز خاکِ تربت نہیں جس کا منتر
یہ رغبت نہ ہوگی کسی بے حیا کی
ارے اس ترقی پہ لعنت خدا کی

(فاطمی، ص:216,217,219)

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو دُنیا

اردو رسائل وجرائد ہماری علمی وادبی وراثت کے امین ہیں

سیّد حسین اختر

ممبئی۔ اردو زبان وادب کے فروغ، مطالعۂ اُردو کے فروغ اور اردو کے ادبی وعلمی رسائل کی بقا کے لیے مہاراشٹرا اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکادمی نے ایک قابلِ تحسین اور حوصلہ افزا قدم اٹھایا ہے۔ اکادمی کی جانب سے ریاست کے 350 کتب خانوں کو 15 اردو رسائل کے مجموعے مفت فراہم کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ گذشتہ مالی سال کے دوران اس اسکیم کے تحت 15 اردو رسائل خرید کر مقررہ 350 کتب خانوں تک پہنچائے گئے، جس کے نتیجے میں اردو رسائل کو تقریباً 12 لاکھ روپے کی براہِ راست مالی معاونت حاصل ہوئی۔ اس موقعے پر مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکادمی کے کارگزار صدر سیّد حسین اختر نے کہا کہ اردو رسائل ہماری زبان وادب کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ ان رسائل میں نہ صرف ادبی تخلیقات شائع ہوتی ہیں بلکہ تحقیق، تنقید، تاریخ، تہذیب، ثقافت اور عصری مسائل سے متعلق قیمتی مواد بھی محفوظ ہوتا ہے، اس لیے اردو رسائل کی حوصلہ افزائی دراصل اردو کے علمی و ادبی سرمایے کے تحفظ کی کوشش ہے۔ انھوں نے کہا کہ کورونا وبا کے بعد پیدا ہونے والے معاشی حالات نے اردو کے بہت سے ادبی اور علمی رسائل کو شدید متاثر کیا۔ وسائل کی کمی، اشاعت کے بڑھتے ہوئے اخراجات اور قارئین کی تعداد میں کمی کے باعث کئی رسائل کے لیے اپنا اشاعتی سفر جاری رکھنا دشوار ہوگیا تھا۔ ایسے حالات میں اکادمی کی جانب سے اردو رسائل کی خریداری اور انھیں ریاست کے کتب خانوں تک مفت پہنچانے کا فیصلہ یقیناً رسائل کے مدیران اور ناشرین کے لیے ایک اہم سہارا ہے۔ انھوں نے کہا کہ حکومت کی جانب سے اس اسکیم کے سالانہ اخراجات کی دس لاکھ روپے سے بڑھا کر پچاس لاکھ روپے کیے جانے کا فیصلہ بھی اردو زبان وادب کے لیے نہایت خوش آئند ہے۔

گذشتہ مالی سال میں اس مقصد کے لیے تقریباً 12 لاکھ روپے خرچ کیے گئے۔ اس اسکیم کے موثر نفاذ اور اس کے فوائد کو براہِ راست اردو رسائل تک پہنچانے میں اکادمی کے کارگزار صدر سیّد حسین اختر اور سپرنٹنڈنٹ سیّد شعیب ہاشمی کی کوششیں خصوصی طور پر قابلِ ستائش ہیں۔ اس اقدام سے جہاں اردو رسائل کو مالی استحکام حاصل ہوگا، وہیں ریاست بھر کے طلبہ، اساتذہ، محققین، ادیبوں اور عام قارئین کو معیاری اردو مطالعے کا مواد بھی مسلسل دستیاب ہوتا رہے گا۔ یہ اسکیم اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ حکومت کی جانب سے اردو کے فروغ کے لیے مالی وسائل فراہم کیے جارہے ہیں اور اکادمی اپنی فعال قیادت اور انتظامی صلاحیت کے ذریعے ان وسائل کو عملی طور پر اردو کے ادبی وصحافتی حلقوں تک پہنچانے کا کام انجام دے رہی ہے۔

(آج کی آواز۔ اورنگ آباد)

اردو اکادمی، دہلی کے زیرِ اہتمام 'مشاعرۂ یومِ اساتذہ'

نئی دہلی (6 ستمبر)۔ اردو اکادمی، دہلی کا شمار ملک کے اُن ممتاز اور متحرک ادبی و ثقافتی اداروں میں ہوتا ہے جو کئی دہائیوں سے اردو زبان وادب کے فروغ کے ساتھ اپنی شاندار ادبی روایات کو بھی تسلسل کے ساتھ زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ یومِ اساتذہ کے موقعے پر منعقد ہونے والا یومِ اساتذہ کا مشاعرہ بھی اسی خوب صورت روایت کی ایک اہم کڑی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ہر سال 5 ستمبر کو پورے ہندستان میں یومِ اساتذہ منایا جاتا ہے۔ یہ دن ملک کے سابق صدر جمہوریہ اور ممتاز فلسفی وماہرِ تعلیم ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن کے یومِ پیدایش کی مناسبت سے منایا جاتا ہے۔ اکادمی ہر سال یومِ اساتذہ کے موقعے پر ایک باوقار مشاعرے کا اہتمام کرتی ہے جس میں اسکولوں، کالجوں اور جامعات سے وابستہ اساتذہ اپنی معیاری اور سنجیدہ شاعری پیش کرتے ہیں۔ اسی دیرینہ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اردو اکادمی، دہلی کی جانب سے 5 ستمبر کو قمر رئیس سلور جبلی آڈیٹوریم میں یومِ اساتذہ کے مشاعرے کا انعقاد کیا گیا جس میں درس و تدریس سے وابستہ شعرا نے اپنی منتخب تخلیقات پیش کرکے محفل کو ادبی وقار اور شعری حسن سے آراستہ کیا۔ اس بامقصد مشاعرے میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے جناب علی رضا زیدی، سابق رکن مولانا آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن، حکومتِ ہند نے شرکت کی جب کہ مشاعرے کی صدارت پروفیسر خالد محمود سابق صدر شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ نے کی۔ پروگرام کی ابتدائی نظامت جناب سفیر صدیقی نے کی، جب کہ مشاعرے کی نظامت کے فرائض جناب سلمان سعید نے انجام دیے۔ مشاعرے کے باقاعدہ آغاز سے قبل اردو اکادمی کے سینئر کارکنان جناب محمد ہارون اور جناب عزیز حسن قدوسی نے مہمانِ خصوصی جناب علی رضا زیدی اور صدرِ مشاعرہ پروفیسر خالد محمود کا پُرتاپ استقبال کرتے ہوئے انھیں پودے پیش کیے۔ اس کے بعد مہمانِ خصوصی، صدرِ مشاعرہ اور تمام معزز شعرا نے مشترکہ طور پر شمع روشن کرکے یومِ اساتذہ کے مشاعرے کا باضابطہ آغاز کیا۔ اس موقعے پر جناب علی رضا زیدی نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے یومِ اساتذہ کی اہمیت اور تعلیم وتربیت میں استاد کے بنیادی کردار پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ انھوں نے استاد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ طالبِ علم کو اپنے تعلیمی سفر کے دوران شاید استاد کی قدر ومنزلت کا مکمّل احساس نہیں ہوتا، لیکن جب وہ تعلیم مکمّل کرکے عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو اسے اپنے اساتذہ کی شفقت، رہنمائی اور کرم فرمائیوں کی حقیقی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ آج مسلم معاشرے میں بچوں کی تعلیم کے حوالے سے جو مثبت اور عملی تبدیلیاں نظر آرہی ہیں اُن کے پسِ پشت اساتذہ کی مسلسل محنت اور کوششیں بھی شامل ہیں۔

(سیاسی تقدیر۔ دہلی)

'ادبی نگارشات' کی اشاعت پر اعزازی سند

حاجی پور (4 ستمبر)۔ ریاستِ بہار کی سرکردہ شخصیت اور سرگرم صاحبِ علم وقلم ڈاکٹر محمد ظفیر الدین انصاری (سابق صدر شعبۂ اردو للت نرائن متھلا یونیورسٹی، کامیشور نگر، دربھنگہ) جو باصلاحیت استاد، مصنف اور خلیق مزاج انسان ہیں، جو فی الحال آشیانہ کالونی، حاجی پور میں قیام پذیر ہیں۔ حاجی پور کے علاوہ بیرونِ حاجی پور کے کئی ادبی پروگراموں میں شامل ہوکر اپنی صلاحیت کی مثال قائم کی ہیں، جن میں مظفر پور، پٹنہ اور دربھنگہ بطورِ خاص شامل ہیں۔ انھیں محکمہ کابینہ سکریٹریٹ حکومتِ بہار کی جانب سے ان کی قابلِ قدر اور لائقِ ستائش کتاب 'ادبی نگارشات' جو کئی اعتبار سے طلبہ وطالبات نیز ریسرچ اسکالرز کے اہم اور کارآمد ہے، اس کی اشاعت کے لیے اردو مسودہ اشاعتی امداد منصوبہ 26-2025 کے تحت اشاعتی امداد اور سند سے نوازا گیا۔ نہایت خوشی کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر انصاری کو اعزازی سند میں صفِ اوّل مقام حاصل ہوا ہے۔ یہ اعزاز دو روزہ جشنِ اردو پروگرام کے دوران 29 اگست 2026 کو منعقدہ نائب وزیرِ اعلا جناب وجے کمار چودھری اور اردو ڈائرکٹر جناب ایس. ایم. پرویز عالم کے ہاتھوں باوقار تقریب میں پیش کیا گیا۔ اس موقعے پر ڈاکٹر محمد ظفر الدین انصاری کی علمی، ادبی، تدریسی، سماجی اور تصنیفی خدمات کا اعتراف اہلِ علم وادب اور شائقینِ اردو ادب نے بہ خوبی کیا ہے۔ 'ادبی نگارشات' اردو ادب میں گراں قدر سرمایہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

ان کی پہلی کتاب 'مطالعۂ ادب' کی رسمِ اجرا 2025 میں عمل میں آئی۔ کتاب کی ادبی حلقوں میں خوب پذیرائی ہوئی۔ 'مطالعۂ ادب' میں شامل تمام مضامین، وسیع مطالعے، گہرے غور وفکر اور توازن فیصلہ کے مظہر ہیں۔ مشہور قلم کار وکالم نویس جناب انوار الحسن وسطوی، ڈاکٹر عارف حسن وسطوی، ایڈوکیٹ نسیم احمد صدیقی، سیّد مصباح الدین، سابق ڈی ایس پی محمد خلیل، سینئر وکیل اعظم حسین، پروفیسر آفتاب اشرف، منصور خوشتر، پروفیسر عید محمد انصاری، پروفیسر شہاب ظفر اعظمی، محمد سلام الدین، ترجمہ افسر حاجی پور، ڈاکٹر ذاکر حسین، ماسٹر محمد عظیم الدین انصاری، ڈاکٹر عظیم انصاری، ماسٹر عبدالقادر بہاری، ماسٹر منصور عالم گدائی سرائے، ویشالی ضلع کے مشہور صحافی محمد شاہ نواز عطا، ندیم اختر خاں، ماسٹر اشتیاق احمد خاں، حافظ عبدالحق، حافظ تعظیم مظہری، اسامہ فاروقی، ماسٹر محمد شرف عالم ہاشمی، ایڈوکیٹ خالد حسین، ایڈوکیٹ اشفاق احمد، خطیب وامام حافظ منہاج عالم، ڈاکٹر محمد شرف الدین، ڈاکٹر محمد مصلح الدین، ڈاکٹر شگفتہ یاسمین، محمد فرید، شکیل احمد، رضی احمد، شاہین غزالہ، محمد احسن ظفیر، محمد اکرم ظفر، محمد عبداللہ فرید، انجینئر محمد اسماعیل انصاری، انجینئر شبیر احمد، ماسٹر محمد اشتیاق احمد، آفتاب احمد، ماسٹر نظر عالم، راجو وارثی، محمد جمشید عالم عرف پیارے، محمد عرفان اور محمد اکبر علی جنداہا کے علاوہ ڈاکٹر انصاری کے شاگردوں نے بھی انھیں مبارک باد پیش کی۔ (سیاسی تقدیر۔ دہلی)

المنصور ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام تنقیدی کتاب 'تحریر وتفہیم' پر خصوصی ادبی نشست

دربھنگہ۔ یومِ آزادی کے موقعے پر المنصور ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام دربھنگہ ٹائمز پبلی کیشن کی شائع کردہ معروف افسانہ نگار وناقد ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کی تنقیدی کتاب 'تحریر وتفہیم' پر ایک خصوصی ادبی نشست حکیم دمڑی منزل، ڈاکٹر آفتاب حسین کمپلیکس، سبھاش چوک، دربھنگہ میں منعقد ہوئی۔ نشست کی صدارت معروف شاعر وادیب ڈاکٹر عطاء عابدی نے کی، جب کہ انور آفاقی مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ پروگرام کی نظامت ادیب وشاعر اور المنصور ٹرسٹ کے سکریٹری ڈاکٹر منصور خوشتر نے کی۔ نشست کا آغاز ڈاکٹر منصور خوشتر کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ انھوں نے پروگرام کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کی ادبی شخصیت اور ان کی تخلیقی وتنقیدی خدمات کا تعارف پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ ڈاکٹر مجیر احمد آزاد آج افسانہ، تنقید اور تبصرہ کے میدان میں خود اعتمادی کے ساتھ مسلسل فعال رہنے والے صاحبِ طرز قلم کار ہیں۔ ان کی ادبی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع ہے اور 'تحریر وتفہیم' ان کی مطالعہ پسندی، فکری بصیرت اور تنقیدی شعور کا اہم حوالہ ہے۔

انور آفاقی نے المنصور ٹرسٹ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ایک اچھی کتاب پر گفتگو کے لیے اس طرح کی نشست کا انعقاد قابلِ تحسین ہے۔ انھوں نے ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کی مطالعہ پسندی کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تحریروں میں پختگی، رواداری اور فکری وفنی حسن کو نمایاں قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ آج کی اس محفل کا انعقاد المنصور ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ نے کیا ہے، جس کا مقصد ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کی تنقیدی و تبصراتی کتاب 'تحریر وتفہیم' پر گفتگو ہے۔

مجیر احمد آزاد نہ صرف ایک فکشن نگار ہیں بلکہ ایک سلجھی ہوئی فکر کے حامل ناقد وتبصرہ نگار، محقق، سفرنامہ نگار اور بچوں کے ادیب بھی ہیں۔ ان کے اب تک اردو میں چھے افسانوی مجموعے اور دیوناگری رسمِ خط میں ایک افسانوی مجموعہ شائع ہو چکے ہیں۔

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

مہاراشٹر اردو ساہتیہ اکادمی کے زیرِ اہتمام
اُردو صحافتی ورکشاپ

دھولیہ (6 ستمبر)۔ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکادمی، محکمۂ اقلیتی ترقیات واوقاف، حکومتِ مہاراشٹر کے زیرِ اہتمام دھولیہ میں پہلی مرتبہ اردو صحافتی ورکشاپ کا انعقاد کیا جارہا ہے۔ ورکشاپ 8 ستمبر 2026 کو صبح دس بجے سے شام ساڑھے چار بجے تک باغبان جماعت خانہ، دھولیہ میں منعقد ہوگی۔ اس موقعے پر اکادمی کے کارگزار صدر سیّد حسین اختر اور چیف ایگزیکٹو آفیسر سیّد شعیب ہاشمی خصوصی طور پر شریک ہوئے۔ سیّد حسین اختر نے کہا کہ بدلتے ہوئے دور میں اردو صحافت کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ڈیجیٹل میڈیا اور صحافت کے نئے ذرائع سے واقفیت نوجوان صحافیوں کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اکادمی کی کوشش ہے کہ نئی نسل کو صحافت کے عملی میدان کے لیے تیار کیا جائے اور انھیں جدید صحافتی تکنیکوں سے روشناس کرایا جائے۔ ورکشاپ میں معروف صحافی شکیل رشید (اڈیٹر ’ممبئی اردو نیوز‘)، نورالہدیٰ، خیال انصاری (اڈیٹر ’خیر اندیش‘)، دانش ریاض (نیوز اڈیٹر ’معیشت انڈیا‘)، خالد محمد عالم (ڈپٹی اسسٹنٹ اڈیٹر روزنامہ ’انقلاب‘)، ڈاکٹر کشور ریاض احمد (پروفیسر، جرنلزم ڈپارٹمنٹ ایم جی ایم یونیورسٹی)، شیخ محمد اظہر (ایشیا ایکسپریس ٹی وی، سینئر صحافی)، تواب انصاری (اڈیٹر ’جرنلزم‘) اور ڈاکٹر عبدالوہاب شیخ (سابق میڈیا ایڈوائزر امریکن قونصلیٹ جنرل، ممبئی) نے خصوصی طور پر شرکت کی۔ (سیاسی تقدیر۔ دہلی)

یومِ اساتذہ کے موقعے پر
عظیم الشان سمینار اور اعزازی تقریب کا انعقاد

اررِیہ (6 ستمبر)۔ یومِ اساتذہ کے خصوصی موقعے پر ڈسٹرکٹ پرائمری ٹیچرز ایسوسی ایشن اررِیہ کے زیرِ اہتمام ایک سمینار اور پُروقار تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں ضلع کے اساتذہ کی عزت افزائی، تنظیمی اتحاد کو فروغ دینے اور اساتذہ کی فلاح و بہبود سے متعلق مختلف موضوعات پر خطاب کیا گیا۔ اس پروگرام میں ضلع بھر سے اساتذہ، اساتذہ تنظیموں کے نمائندوں، بلاک صدور، بلاک سکریٹریز اور یونین ورکرز کی بڑی تعداد نے جوش وخروش سے شرکت کی۔ مہمانِ خصوصی منوج کمار (سکریٹری آل انڈیا پرائمری ٹیچرس ایسوسی ایشن اور ڈپٹی جنرل سکریٹری بہار اسٹیٹ پرائمری ٹیچرس ایسوسی ایشن) تھے۔ مہمانِ خصوصی جناب عالم (ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر اررِیہ) تھے۔ ونود کمار (صدر ڈسٹرکٹ پرائمری ٹیچرس ایسوسی ایشن کٹیہار) اور نوشاد عالم (سکریٹری ڈسٹرکٹ پرائمری ٹیچرس ایسوسی ایشن، بہار اسٹیٹ پرائمری ٹیچرس ایسوسی ایشن، پٹنہ) بھی موجود تھے۔ اس تقریب میں مسٹر ابھیشیک رنجن (جنرل سکریٹری اور پرنسپل سکریٹری، ڈسٹرکٹ پرائمری ٹیچرس ایسوسی ایشن، اررِیہ) اور مسٹر رام پرتاپ ورما (ضلع پرائمری ٹیچرس ایسوسی ایشن) کے اعزاز میں صدر، یونین عہدیداروں کے ساتھ بھی موجود تھے۔ تقریب میں ضلع کے تمام بلاکس کے بلاک صدور، بلاک سکریٹریز، یونین ورکرز اور معزز اساتذہ نے شرکت کی۔ اررِیہ ضلع میں کام کرنے والی مختلف اساتذہ تنظیموں کے نمائندوں اور ان کے معزز اساتذہ کو بھی ڈسٹرکٹ پرائمری ٹیچرس ایسوسی ایشن اررِیہ کی جانب سے خصوصی طور پر اعزاز سے نوازا گیا۔ اس موقعے پر مہمانِ خصوصی منوج کمار جی نے اساتذہ کے اتحاد کو وقت کی ضرورت قرار دیتے ہوئے کہا کہ اساتذہ کا اتحاد تنظیم کو مضبوط کرتا ہے۔

مہمانِ خصوصی ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر جناب صاحب عالم نے یومِ اساتذہ پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا کہ اساتذہ معاشرے اور قوم کی تعمیر میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ انھوں نے تعلیم کے لیے ان کی ذمے داری، لگن اور شراکت پر زور دیا اور تمام اساتذہ کے لیے اپنے احترام کا اظہار کیا۔ سمینار کے دوران اساتذہ کی فلاح و بہبود، تعلیمی معیار، تنظیمی اتحاد اور اساتذہ کے کردار جیسے اہم موضوعات پر تبادلۂ خیال کیا گیا۔ ڈسٹرکٹ پرائمری ٹیچرس ایسوسی ایشن اررِیہ کے عہدیداروں نے پروگرام کو کامیاب بنانے پر ضلع بھر سے آئے ہوئے تمام اساتذہ، مہمانوں، مختلف اساتذہ تنظیموں کے نمائندوں، بلاک عہدیداروں اور یونین کے کارکنوں کا شکریہ ادا کیا۔ (روزنامہ ’پندار‘۔ پٹنہ)

شعبۂ اردو مگدھ یونیورسٹی میں
ڈاکٹر ابواللیث شمسی کی سبکدوشی پر الوداعیہ

بودھ گیا (3 اگست)۔ بے داغ تدریسی زندگی ہی ایک استاد کی سب سے بڑی کامیابی اور اصل اعزاز ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث شمسی نے اپنی ملازمت کا سفر کامیابی سے مکمل کیا ہے۔ یہ ان کی دیانت داری، فرض شناسی اور کامیاب تدریسی زندگی کا روشن ثبوت ہے۔ یہ باتیں مگدھ یونیورسٹی کے پروکٹر پروفیسر کرشن دیو پورمانے شعبۂ اردو میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر ابواللیث شمسی کی سبکدوشی پر منعقدہ الوداعی تقریب میں بطورِ مہمانِ خصوصی شرکت کرتے ہوئے کہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ سبکدوشی کے بعد ڈاکٹر شمسی اپنی ادبی، تحقیقی اور تصنیفی سرگرمیوں پر مزید توجہ دیں گے اور علمی دنیا ان کے تجربات سے مستفید ہوتی رہے گی۔ اس موقعے پر صدر شعبۂ فلسفہ پروفیسر جاوید انجم نے ڈاکٹر شمسی کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا کہ استاد کبھی ریٹائر نہیں ہوتا۔ ایک معلم کا علم، تجربہ اور تربیت ہمیشہ اس کے شاگردوں کے ذریعے زندہ رہتی ہے اور شاگردوں کی کامیابی ہی استاد کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتی ہے۔ پروفیسر مونیشور پرساد (شعبۂ سنسکرت) نے کہا کہ ملازمت کی تکمیل کے بعد انسان کو اپنے اہلِ خانہ، سماج اور علمی خدمات کے لیے زیادہ وقت میسر آتا ہے۔ انھوں نے نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ ڈاکٹر شمسی آئندہ بھی علم وادب کی خدمت میں سرگرم رہیں گے۔ اس موقعے پر پروفیسر رام پرکاش (صدر شعبۂ سنسکرت)، پروفیسر سنجے کمار (صدر شعبۂ پالی)، احسان اللہ دانش (مرزا غالب کالج)، ڈاکٹر ممتا مہرا (شعبۂ سنسکرت)، ڈاکٹر عفت شاہین (شعبۂ انگریزی)، ڈاکٹر پرینکا تیواری (شعبۂ فلسفہ) سمیت مختلف شعبوں کے اساتذہ نے بھی ڈاکٹر ابواللیث شمسی کی علمی، تدریسی اور ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے انھیں سبکدوشی پر مبارک باد پیش کی اور ان کی صحت مند، خوشحال اور فعال زندگی کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ تقریب کی صدارت صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر عبدالحئی نے کی، جب کہ نظامت کی ذمے داری ڈاکٹر ترنم جہاں نے انجام دی۔ اپنے صدارتی خطاب میں ڈاکٹر عبدالحئی نے کہا کہ ایک استاد اپنی ملازمت سے ضرور سبکدوش ہوتا ہے لیکن اپنی تدریس، علمی لیاقت، اعلا کردار اور ایمانداری کے باعث ہمیشہ اپنے طلبہ کے دلوں میں زندہ رہتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ڈاکٹر ابواللیث شمسی انھی اساتذہ میں شامل ہیں جنھوں نے پوری دیانت داری، خلوص اور علمی وقار کے ساتھ اپنی تدریسی ذمے داریاں انجام دیں۔ ان کی خدمات، رہنمائی اور شفیق شخصیت کو شعبۂ اردو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے یاد رکھے گا۔ شعبۂ اردو کے دیگر اساتذہ پروفیسر شاہد رضوی، ڈاکٹر شکیلہ نگار، ڈاکٹر سمی اقبال، ڈاکٹر ضیاء اللہ اور ڈاکٹر ترنم جہاں نے بھی اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر شمسی کی علمی رہنمائی، شائستہ طرزِ عمل اور طلبہ کے ساتھ ان کا مخلصانہ تعلق ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

آخر میں ڈاکٹر ابواللیث شمسی نے تمام اساتذہ، طلبہ اور مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ شعبۂ اردو اور مگدھ یونیورسٹی سے وابستہ یادیں ان کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ انھوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ سبکدوشی کے بعد بھی وہ علم، تحقیق اور اردو زبان وادب کی خدمت کے لیے سرگرم رہیں گے۔ (روزنامہ پندار۔ پٹنہ)

رفتید ولے نہ از دلِ ما

مہتاب قدر

دربھنگہ۔ معروف شاعر، ادیب، صحافی اور ادبی سرگرمیوں کے سرگرم منتظم مہتاب قدر صاحب کا 25 ستمبر 2026 کو انتقال ہوگیا۔ ان کی پیدائش 15 مئی 1959 کو حیدرآباد میں ہوئی تھی۔ ان کا نام سیّد سرفراز علی تھا۔ انھوں نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی عمر کا بیشتر حصہ جدہ (سعودی عرب) میں گزارا۔ انھوں نے وہاں اپنی ملازمت کے دوران اُردو زبان وادب کے فروغ کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں۔ انھوں نے جدہ میں ایک ادبی انجمن ’اُردو گلبن‘ بھی قائم کی۔ اس انجمن کی اہم سرگرمیوں میں مشاعرے اور شعری نشستیں شامل تھیں۔ 2018 میں اردو گلبن کی ایک اہم تقریب میں معروف ناقد وادیب پروفیسر ارتضیٰ کریم کو ’مجاہدِ ایوارڈ‘ سے بھی نوازا گیا۔ اردو گلبن آن لائن بھی جاری کیا گیا، جس کی تمام ادبی حلقوں میں پذیرائی ہوئی۔

مہتاب قدر کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ انھوں نے ہندستان اور دیگر ممالک کے اردو حلقوں میں سرگرم ادبی وشعرا کو جوڑنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

ادارہ ’ہماری زبان‘ مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔

’جی سے نہ جائیں گی تمھاری باتیں‘ کی رسمِ اجرا

اورنگ آباد (16 اگست)۔ مطلعِ ادب فاؤنڈیشن، اورنگ آباد کے زیرِ اہتمام 15 اگست 2026ء کو دن 11 بجے بمقام عثمانی فیملی، اورنگ آباد (دکن) معروف اردو قلم کار ڈاکٹر غضنفر اقبال سہروردی کی پچیسویں کتاب ’جی سے نہ جائیں گی تمھاری باتیں‘ کی رسمِ اجرا امتیاز اردو نظم نگار شاعرہ ڈاکٹر محترمہ رعنا حیدری (سابق صدرِ شعبۂ اردو، ڈاکٹر بی اے ایم یونیورسٹی، اورنگ آباد دکن) کی صدارت اور ان ہی کے دستِ مبارک سے انجام پائی۔ رسمِ اجرا کے بعد اپنے صدارتی خطاب میں ڈاکٹر رعنا حیدری نے کہا کہ غضنفر اقبال نے اپنی تازہ ترین کتاب میں سولہ اثر آفریں شخصیات کی زندگی اور کارناموں کو متاثر کن انداز میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ غضنفر اقبال نے کتاب کے لیے ایسی شخصیتوں کا انتخاب کیا ہے جنھوں نے اعلا اقدار کی ترجمانی کی اور جس میدان کو منتخب کیا، اس میں منفرد اور شاندار کارنامے انجام دیے۔

ڈاکٹر قاضی رضوانہ شمیم نے کتاب پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ غضنفر اقبال نے معیاری سوانحی مضامین کی صورت گری کی ہے اور منتخب شخصیات کے کردار کی بھرپور ترجمانی کی ہے، جس سے ان کی حیات و خدمات روشن ہوجاتی ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر قاضی نوید احمد صدیقی نے کہا کہ غضنفر اقبال نے اپنے سوانحی مضامین میں دکن کی سولہ متاثر کن شخصیات کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے احوال درج کیے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ کتاب ’جی سے نہ جائیں گی تمھاری باتیں‘ کے پسِ ورق پر تحریر کردہ مشہور قلم کار ومثالی محقق ڈاکٹر انیس صدیقی کے دل نشین تاثرات کے ہر لفظ سے اتفاق کرتے ہیں۔

اس موقعے پر ڈاکٹر سہیل ذکی الدین نے بھی خطاب کیا۔ ڈاکٹر غضنفر اقبال سہروردی نے اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ ان کی پچیسویں کتاب ’جی سے نہ جائیں گی تمھاری باتیں‘ کی رونمائی ان کی استانی ماں ڈاکٹر رعنا حیدری کے ہاتھوں انجام پائی، جسے وہ اپنے لیے باعثِ اعزاز تصور کرتے ہیں۔

تقریب کا آغاز سیّد عیشل کی تلاوتِ قرآنِ پاک سے ہوا، جب کہ جناب محمد ہشام عثمانی نے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ رسمِ اجرا کی اس تقریب میں ڈاکٹر میر مجاہد علی، ڈاکٹر اسما ثمرین، ڈاکٹر طیبہ صدیقی وغیرہ موجود تھے۔

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : یادگار (شعری مجموعہ)
مصنف : ثابتؔ خیرآبادی
مرتبین : ساجد خیرآبادی/شاکر خیرآبادی
ضخامت : 224 صفحات
قیمت : 300 روپے
ناشر : دارالاشاعت مصطفائی، D1/16، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-110002
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر
E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

لکھنؤ کے قرب و جوار کے قصبات میں خیرآباد (ضلع سیتاپور) کو اُردو ادب میں خاص مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ ماضی بعید اور ماضی قریب میں اس مردم خیز قصبے میں اُردو کے جن نامور ادبا و شعرا اور باکمال شخصیات نے آنکھیں کھولیں، اُن میں علامہ فضلِ حق خیرآبادی، علامہ عبدالحق خیرآبادی، اسلم خیر آبادی، انور خیر آبادی، مضطر خیر آبادی، ریاض خیرآبادی، وسیم خیرآبادی، اثیم خیرآبادی، بسمل خیرآبادی اور شمیم خیرآبادی وغیرہ کا نام قابلِ ذکر ہے۔ خیرآباد میں ہی اُردو ادب کے مایہ ناز شاعر ثابت خیرآبادی 4 ستمبر 1916 کو پیدا ہوئے اور اسی سر زمین میں 29 مارچ 1990 کو پیوندِ خاک ہوئے۔ ثابت خیرآبادی کو زمانۂ طالب علمی سے شعر و شاعری سے والہانہ شغف تھا۔ ابتدا میں انھوں نے شمیم خیرآبادی سے مشورۂ سخن کیا بعد ازاں اثیم خیرآبادی سے اصلاح لی۔ انھوں نے آرڈی نینس کلوونگ فیکٹری، شاہ جہاں پور میں ملازمت کے دوران دلؔ شاہ جہاں پوری سے بھی مشورۂ سخن کیا۔

ثابتؔ خیرآبادی کا کلام ان کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا۔ ان کے لائق و فائق فرزندان ساجد خیرآبادی اور شاکر خیرآبادی نے ان کے دستیاب شدہ کلام کو 'یادگار' کی شکل میں یکجا کر کے کتابی قالب میں قارئین کے سامنے پیش کیا۔ ثابت خیرآباد نے آرڈی نینس کلوونگ فیکٹری شاہ جہاں پور میں ملازمت کے دوران 'بزمِ ادب' قائم کی۔ 'بزمِ ادب' کے تحت شاہ جہاں پور میں شعر و شاعری اور مشاعروں کا غلغلہ ایک زمانے تک رہا۔ آرڈی نینس کلوونگ فیکٹری کے زیادہ تر ملازمین ادبی ذوق رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے شہر شاہ جہاں پور میں بھی ادبی محفلوں کا بازار گرم تھا۔

ثابتؔ خیرآبادی کے زیرِ نظر شعری مجموعے 'یادگار' میں مرتبین نے حمد، نعت، منقبت، تضمین، اذنِ مئے نوشی، مناقب، تواریخِ وفات، غزلیں، ساون، قومی نظمیں، قطعات، رباعیات اور نظمیں وغیرہ کو شامل کیا ہے۔ زیرِ نظر شعری مجموعے میں ثابت خیرآبادی کی مشہور و معروف طویل نظم 'خیرآباد' (دو حصوں پر مشتمل) ایک اہم نظم ہے۔ اس نظم میں انھوں نے قصبہ خیرآباد کی عظمت، یہاں کی خصوصیت، ادبی ماحول، وطنِ عزیز کے لیے قربان ہونے والے شہدا اور تاریخی اہمیت کو پیش کیا ہے۔ پہلے حصے میں جہاں خیرآباد کی تاریخ اور مجاہدینِ آزادی کا ذکر ہے وہیں دوسرے حصے میں ادبا، شعرا، شرفا اور اہلِ مخیّر حضرات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ثابت خیرآبادی نے نظم ''خیرآباد'' کے دوسرے حصے کی ابتدا میں لکھا:

جو کچھ سُنا بزرگوں سے وہ کر چکا عیاں
دیکھا جو میں نے، اُس کو بھی کرتا چلوں بیاں
اِس خیرآباد قصبہ کی وہ چند ہستیاں
رہ رہ کے یاد آتی ہیں اُن سب کی خوبیاں
افسوس! آج اُن کا فسانہ ہی رہ گیا
ماضی کے واقعات سُنانا ہی رہ گیا

زیرِ نظر شعری مجموعے میں شامل ثابتؔ خیرآبادی کے قطعات اہمیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے اپنے قطعات میں مشہور و معروف شعرا و ادبا کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ اپنے اُستاد دل شاہ جہاں پوری کے انتقال پر انھوں نے جو قطعۂ تاریخ لکھا وہ قابلِ ذکر ہے۔ قطعہ ملاحظہ کیجیے:

پاس حافظ میاں کے دفن ہوئے
پائی تھی ایک عارفانہ سرشت
سالِ رحلت کہو تم ثابت
مدفنِ دِل ہے یا ہے باغِ بہشت
1959

ثابتؔ خیرآبادی نے ملک کی آزادی میں اپنی جان قربان کرنے والوں کے لیے بھی شعری نذرانہ پیش کیا ہے۔ لیکن انھوں نے چھبیس جنوری کے تعلق سے دو نظمیں کہیں ہیں۔ ان دونوں نظموں میں انھوں نے اپنے مطمحِ نظر میں حب الوطنی کے جذبے کو مقدم رکھا ہے۔ دراصل آرڈی نینس کلودنگ فیکٹری میں آزادی سے قبل انگریزی فوجیوں اور سپاہیوں کے لیے وردیاں تیار ہوتی تھی لیکن آزادی کے بعد ہندستانی فوجیوں اور سپاہیوں کے لیے وردیاں تیار ہونے لگیں۔ ثابت خیرآبادی نے حب الوطنی کے جذبے سے سرشار نظموں میں وطن کی آزادی کو مقدس قرار دیا ہے:

چھبیس جنوری کی مبارک ہو صبح و شام
اس دن ملی تھی ملک کو آزادیِ دوام
پھر کیوں نہ ہر نظر میں ہو اِس کا احترام
لایا، مسرتوں کا یہی یوم، تھا پیام
آزادیِ وطن پہ تصدق ہے ہر خوشی
قربانیِ عظیم سے یہ منزلت ملی

'یادگار' شعری مجموعے پر فصیح اکمل، احمد وصی، مولانا سید قمر شاہ جہاں پوری، ڈاکٹر رضوان انصاری، وسیم مینائی، کندل لال، شکیل اعظمی، ڈاکٹر عفّت زریں، ڈاکٹر عزیز خیرآبادی، ساجد خیرآبادی اور شاکر خیرآبادی نے اپنی تنقیدی آرا کا اظہار کیا ہے۔ مولانا سید قمر شاہ جہاں پوری نے اپنے تاثرات میں ثابت خیرآبادی کے کلام پر اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ ثابت خیرآبادی کا کلام مجموعی طور پر ترجمانِ قلب و نظر ہے جس میں سادگی اور سلاست و روانی کی ضو فشانی ہر جگہ دکھائی دیتی ہے۔ تصنع، ملمع سازی، بھاری بھرکم اصطلاحوں، بوجھل الفاظ، گراں مایہ جملوں اور ثقیل مضامین سے گریز ہی حضرتِ ثابتؔ کی شناخت ہے۔ ثابتؔ خیرآبادی کی صوفیانہ غزلیں بھی اگر آپ مذکورہ منظر میں پڑھیں گے تو یقیناً محظوظ ہوں گے۔ اسی طرح ثابت خیرآبادی کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کرنے والوں میں جنبش خیرآبادی، خدا داد خاں مونس، ارماں رضوی، ساغر وارثی، ساجد خیرآبادی، ڈاکٹر مخمور کاکوروی، گہر خیرآبادی، حاجی نصیر انصاری، شاکر خیرآبادی، مفتی الیاس تائب، فہیم بسمل، ڈاکٹر عرشی پہانوی، اقبال اکرم وارثی، تنویر اقبال بسوانی، سلیم تابش لکھنوی اور نفیس خیرآبادی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

بہر کیف! ثابت خیرآبادی کے دستیاب کلام کو ان کے فرزندان نے جس احسن طریقے سے ترتیب دیا ہے وہ قابلِ رشک ہے۔ دورِ حاضر میں بہت سے ادبا و شعرا کے جانشینوں نے اپنے اجداد کے ادبی سرمایے کو ذاتی ملکیت قرار دے کر اسے پردۂ خفا میں رکھا ہوا ہے جس کے سبب ادبا و شعرا کا کلام ضائع ہو کر نذرِ خاک ہو چکا ہے۔ بہت ہی کم ادبا و شعرا کو ایسے جانشیں ملے جن کا ادبی سرمایہ کتابی صورت میں قارئین کے سامنے پیش کیا گیا۔ ثابت خیرآبادی کی یہ خوش نصیبی ہے کہ ان کے فرزندوں نے ان کے دستیاب شدہ کلام کو نہ صرف شائع کیا بلکہ اسے آنے والی نسلوں تک کے لیے محفوظ کیا۔ ساجد خیرآبادی اور شاکر خیرآبادی کو اپنے والد کے زیرِ سایہ ادبی محفلوں میں جانے اور تربیت کے مواقع ملے، جس کے نتیجے میں ان کے اندر ادبی ذوق پروان چڑھا۔ مشاعروں کی دنیا میں ساجد خیرآبادی اور شاکر خیرآبادی کے نام محتاجِ تعارف نہیں۔ دونوں حضرات اپنے والدِ محترم کے باقی ادبی سرمایے کو بھی منصۂ شہود پر لانے کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں۔

مولوی رحمت اللہ فاروقی (صحافی اور مجاہدِ اُردو)

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

رحمت اللہ فاروقی کا مطالعہ بہت وسیع اور گہرا تھا۔ خاص طور سے شعر و ادب پر ان کی نگاہ بڑی عمیق تھی۔ بڑی بات یہ ہے کہ ان کے یہاں بڑا استحضار تھا۔

انھیں تحریر و تصنیف کا بھی عمدہ سلیقہ تھا مگر صحافتی اور اردو کی تدریسی مصروفیات نے اس کا موقع نہیں دیا۔ اوپر ان کا جو خط نقل ہوا ہے، اس سے آپ ان کی صاف ستھری، سادہ و سلیس اور دلکش نثر کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اردو بک ریویو میں ان کے بعض تبصرے بھی لائق مطالعہ ہیں۔

مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب نے فاروقی مرحوم کی ادبی زندگی اور اردو کے لیے ان کی مجاہدانہ خدمات کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

''صحافت کے علاوہ ان کی دلچسپی کا دوسرا بڑا میدان اردو کا فروغ تھا۔ اس کے لیے وہ خود بھی طلبہ کو اردو پڑھاتے، اپنی جیب خاص سے کتابیں خرید کر دیتے، اردو کے حوالے سے ان کی خدمات کا دائرہ جھگی جھونپڑی سے لے کر اعلیٰ افسران تک پھیلا ہوا تھا، انھوں نے بہت سارے غیر مسلموں کو بھی اردو سے روشناس کرایا اور ان میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت پیدا کی۔ ان کو اس کام کی وجہ سے سچا مجاہد اردو کہا جا سکتا ہے۔ ان کو کام سے دلچسپی تھی۔ باتیں بنانا، دوسروں کے گلے شکوے کرنا انھیں نہیں آتا تھا''۔

مرحوم رحمت اللہ فاروقی صاحب کی کتاب زندگی کا یہ اس قدر اہم باب ہے کہ اردو کے بڑے بڑے ادیب و شاعر کی کتاب زندگی آپ کو ان فصول و ابواب سے خالی ملے گی۔ اللہ تعالی ان کی مخلصانہ خدمات کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا کرے۔ آمین

حواشی

۱ مولوی ریاض حسن خاں خیالؔ (1877-1953) رئیس رسول پور مظفر پور بہار اردو و فارسی کے ممتاز اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کا 'دیوان ریاض حسن خاں خیالؔ' ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی کے مفصل مقدمہ کے ساتھ 1985 میں سیتامڑھی بہار سے شائع ہو چکا ہے۔ خیالؔ مرحوم کے علامہ شبلی اور عزیز لکھنوی اور دیگر معاصر نامور شعرا و ادبا سے گہرے مراسم تھے۔ خط و کتابت کا بھی سلسلہ تھا۔ مکتوبات خیالؔ 'مکاتیبِ شبلی' مطبوعہ دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ ان سے ان علمی پختگی اور بلند پایگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی تخلیقات معاصر رسائل و جرائد میں اکثر شائع ہوتی تھیں۔ دیوان تو مرتب ہو گیا البتہ نثری تحریروں کی جمع و تدوین کا کام باقی رہ گیا ہے۔

شائستہ منزل، 641، پورہ غلامی، عقب آواس وکاس،
اعظم گڑھ-276001، یوپی
E-mail: azmi408@gmail.com, Mob. 9838573645

علی احمد فاطمی کی 'اکبرشناسی'

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

سرسیّد آج تک اس لیے معتوب ہیں کہ انھوں نے ملّت کو دنیوی ترقی اور سرخ روئی حاصل کرنے کے لیے علومِ جدیدہ کے حصول اور دین کی عقلی توجیہات کی راہ دکھائی تھی۔ اکبر نے علومِ جدیدہ کے حصول میں دنیا کی خرابی اور عقل وخرد کی راہ پر دین کی بربادی دیکھی تھی۔ شاید اکبر کو اپنے پیام کی بے مائیگی کا کچھ تو احساس ہوا ہوگا؛ ورنہ وہ اپنے آخری دور میں یہ نہ کہتے:

مناسب تھی ہماری شاعری اک وقت میں اکبر
مگر اب وہ زمانے کے موافق ہو نہیں سکتی

لیکن ہمارے فاطمی صاحب کا 'دل ہے کہ مانتا نہیں' اور وہ ایک صدی بعد بھی اس پیام کی معنویت ماننے اور منوانے کے مشن میں لگے ہوئے ہیں:

'بڑا شاعر وہی ہے جو ہر دور میں اپنی معنویت برقرار رکھے اور غور وفکر پر مجبور کرے۔ اکبر کل کے مقابلے میں آج زیادہ قابلِ قبول ہیں۔' (فاطمی، ص:187)

جب کہ اس 'آج' میں اقوامِ عالم کے مقابل اس کی امّت؛ زبانِ حال سے گویا ہے، بلکہ فریاد کناں ہے:

ہاتھ خالی، دل ہے ویراں، فکر مفلس کا چراغ
کون سی دولت ہے جس کی پاسباں ہے زندگی!

(محمود سروش)

اکبر کے افکار وخیالات کی ترویج میں؛ اُن کے پیروؤں کی مولانا عبدالماجد سے لے کر فاروقی اور فاطمی تک کی نسل بڑے انہماک سے لگی ہوئی ہے۔ اب تو اُن کا یہ انہماک ہمیں Hunchback of Noter-Dame کے قوا سیموڈو کی یاد دلانے لگا ہے:

اندھیری رات، طوفانی ہوا، ٹوٹی ہوئی کشتی
یہی اسباب کیا کم تھے کہ اس پر ناخدا تُم ہو!

(سرشار سیلانی)

حواشی:

1. 'مکتوباتِ سرسیّد'، جلد اوّل، مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، مطبوعہ: مجلس ترقیِ ادب لاہور، طبع ثانی: 1976، ص:44۔
2. "It is idle to seek logical truth in poetry.The ideal of imagination is beauty,not truth.Do not then try to show a poet's greatness by quoting passages from his works,which in your openion,embody scientific truth."(Quote no:14"Poetry and Logical Truth") STRAY REFLECTION-Edited by Javed Iqbal.Iqbal Academy Pakistan,Edition:2008

معترضہ طور پر عرض ہے کہ علامہ کا یہ خیال یا 'فکرِ پریشاں' خود اُن کے کلام کی اب تک ہوئی گراں قدر تشریحات کے حق میں boomerang ثابت ہوسکتی ہے۔ (اک)۔

3. اکبر نے 10 دسمبر 1903 کو عشرت کو اپنے خط میں لکھا تھا: 'چارج اب تک نہیں دیا۔ خیر یہ اچھا حساب ہوگا کہ آخر سال تک کام کروں گا۔' (ص:122، 'مجموعہ مکاتیبِ اکبر') اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اکبر کا استعفا 1904 کے شروع میں منظور کیا ہوگا۔ (اک)۔
4. 'مجموعۂ مکاتیبِ اکبر' مرتّب و مدوّن محمد راشد شیخ میں پہلی بار اکبر کے کئی سو غیر مطبوعہ خطوط منظرِ عام پر آئے ہیں۔ ان میں خاص طور پر عشرت اور علامہ اقبال کے نام خطوط اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ مجموعۂ مکاتیب پہلی بار کراچی سے 2024 میں اور البلاغ پبلی کیشنز نئی دہلی سے 2025 میں شائع ہوا ہے۔ متذکرہ تفصیلات اس مجموعے میں شامل عشرت کے نام خطوط سے لی گئی ہیں۔ (اک)۔
5. 'مجموعۂ مکاتیبِ اکبر' ایضاً، ص:184۔

مصادر:

☆ 'اکبرالٰہ آبادی'؛ مولفہ علی احمد فاطمی۔
☆ 'حیاتِ اکبر الٰہ آبادی' مولفہ عشرت حسین؛ مطبوعہ بزمِ اکبر کراچی؛ پہلا اڈیشن 1951۔
☆ 'اکبر الٰہ آبادی: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ' مولفہ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا؛ مطبوعہ سنگِ میل پبلی کیشنز کراچی: 2003۔
☆ 'اکبرالٰہ آبادی' از: طالب الٰہ آبادی؛ مطبوعہ انوار احمدی؛ دوسرا اڈیشن
☆ 'تحقیقِ آثار سے سماجی انقلاب پسندی تک؛ سید احمد خاں اور نوآبادیاتی نظام کا تجزیہ' مولفہ شمس الرحمٰن فاروقی؛ مطبوعہ: 2006 مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ۔
☆ 'اکبرالٰہ آبادی: اپنی شکست کی آواز' مولفہ اسیم کاویانی؛ پہلا اڈیشن: 2001۔
☆ 'مجموعۂ مکاتیبِ اکبر' مرتّب و مدوّن محمد راشد شیخ؛ مطبوعہ البلاغ پبلی کیشنز نئی دہلی 2025۔

فلیٹ نمبر 702، کیتن اپارٹمنٹ، بیلویدرے روڈ،
مجگاؤں، ممبئی-400010
E-mail: aseemkavyani@gmail.com

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

میرے مضامین (مجموعۂ مضامین ومقالات)	ڈاکٹر ماجد دیوبندی	-/300
نسخۂ حفیظ الدین احمد	اطہر فاروقی	-/1000
سرودِ عشق	شاہ رُخ جمال	-/200
گل دوگانہ	سیّد کاشف رضا	-/300
مشائخِ دہلی کی جامع تاریخ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	-/700
مقالاتِ نظامی (پانچ جلدیں)	خلیق احمد نظامی	-/4500
نگینے لوگ (خاکوں کا مجموعہ)	معصوم مرادآبادی	-/250
ہمارا شہر اُس برس (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	-/700
میں میر میر کر اس کو بہت پکار رہا	سرور الہدیٰ	-/500
1857 کی اَن کہی حیرت انگیز داستانیں	شمس الاسلام	-/300
دیووں کا ظہور (الوک اگروال/ مینک اگروال)	مترجم: سیّد وجاہت مظہر	-/500
غزل اور فنِ غزل	ڈاکٹر نریش	-/200
فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ	سیّد رضوان علی ندوی	
	رؤف پاریکھ	-/250
مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	ابراہیم افسر	-/600
منیب الرحمٰن کی ایک صدی	بیدار بخت/ انور احمد	-/400
اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	-/300
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	-/300
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	-/900
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس کھیا	-/300
میانِ من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	-/500
میرا جنوں اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	-/700
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	-/400
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	-/400
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	-/500
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	-/500
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	-/700
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	-/2400
تحقیق وتوازن	ڈاکٹر نریش	-/250

المنصور ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام
تنقیدی کتاب 'تحریر وتفہیم' پر خصوصی ادبی نشست

(بقیہ صفحہ 4 سے آگے)

بچوں کے لیے بھی انھوں نے کہانیوں کی ایک کتاب 'آؤ کہانی سنتے ہیں' شائع کی ہے، جو بے حد مقبول ہوئی۔ ان کی تحقیق پر مبنی دو کتابیں 'دربھنگہ میں اردو افسانہ نگاری' اور 'شاداں فاروقی: حیات وخدمات' بھی منظرِ عام پر آکر اہلِ علم وادب سے داد وتحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ڈاکٹر منظر سلیمان نے ڈاکٹر مجیر احمد آزاد سے اپنی تین دہائیوں سے زائد پر محیط رفاقت کا ذکر کرتے ہوئے ان کی اردو زبان وادب سے والہانہ وابستگی کو سراہا۔ ڈاکٹر احسان عالم نے نظم ونثر دونوں انداز میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ انھوں نے کہا کہ اردو تنقید کے میدان میں کسی کتاب کا تنقیدی جائزہ دراصل مصنف کی فکری صلاحیتوں اور اس کے اسلوب کی پیمائش کا ایک عمل ہوتا ہے۔ 'تحریر وتفہیم' کے مطالعے کے بعد یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ کتاب محض مضامین کا مجموعہ نہیں بلکہ اردو ادب کے مختلف پہلوؤں پر ایک گہری اور تحقیقی نظر پیش کرتی ہے۔ ڈاکٹر مجیر احمد آزاد نے اپنی تصنیف میں ادب کے فنی اور فکری لوازمات کو جس مہارت سے پرکھا ہے، وہ ان کی علمی گہرائی کا ثبوت ہے۔ انھوں نے کہا کہ ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کا تنقیدی اسلوب متوازن اور تجزیاتی ہے۔

ڈاکٹر ایوب راعین نے اپنے تاثرات میں ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کی مختلف کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کی تحریروں میں عرق ریزی، مطالعہ اور تحقیق صاف دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے اپنی مسلسل ادبی سرگرمیوں کے ذریعے اردو ادب میں اپنی الگ پہچان بنائی ہے۔ ڈاکٹر ریحان قادری نے کہا کہ ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کی شخصیت کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ وہ نئے قلم کاروں کو آگے بڑھانے اور نوجوان ادیبوں کی حوصلہ افزائی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ نئے لکھنے والوں کی رہنمائی اور ان کی صلاحیتوں کو تسلیم کرنا ادبی معاشرے کی اہم ضرورت ہے۔ بعد ازاں ڈاکٹر مجیر احمد آزاد نے اپنی کتاب 'تحریر وتفہیم' کے پس منظر، موضوعات اور مضامین کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی۔ صدارتی خطاب میں ڈاکٹر عطاء عابدی نے 'تحریر وتفہیم' کے مختلف مضامین اور کتاب کے مجموعی فکری وفنی مزاج پر گفتگو کرتے ہوئے مصنف کی بھرپور ستائش کی۔ انھوں نے ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کی دوسری کتابوں کا حوالہ بھی دیا اور کہا کہ 'تحریر وتفہیم' کے مضامین مطالعہ پسندی اور فکری وسعت سے آراستہ ہیں۔

ڈاکٹر عطاء عابدی نے مزید کہا کہ ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کے سات افسانوی مجموعے، ایک سفرنامہ اور چار تنقیدی وتحقیقی کتابیں اس بات کی شاہد ہیں کہ ان کا فکری وفنی رویہ متنوع ہونے کے ساتھ تصنع وتکلف سے پاک، مخلصانہ اور متحرک ہے۔ ان کے یہاں مطالعے اور تفہیم کی آزادانہ روش ایک خاص سلیقے کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ گاؤں کی مٹی اور شہر کی ہواؤں کے مطالعے اور مشاہدے نے ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کو جہاں تخلیقی سطح پر فکر وشعور کی تہذیب سے سرشار کیا، وہیں آزاد مطالعے کی روش اور واضح اندازِ فکر نے ان کے شعورِ نقد کی تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ پروگرام کی نظامت ادیب وشاعر ڈاکٹر منصور خوشتر نے منفرد انداز میں کی۔ نشست میں اہلِ ادب، شعرا، قلم کاروں اور ادبی ذوق رکھنے والے افراد کی قابلِ ذکر شرکت رہی اور 'تحریر وتفہیم' پر ہونے والی یہ گفتگو دربھنگہ کی ادبی فضا میں ایک بامعنی اور یادگار نشست کے طور پر یاد کی جائے گی۔

❋❋❋

مولوی رحمت اللہ فاروقی

صحافی اور مجاہدِ اُردو

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

میرے بزرگ اہلِ قلم احباب میں غالباً سب سے زیادہ نیک، مخلص، سچے، صالح اور نہایت شریف النفس بزرگ نامور صحافی اور مجاہدِ اردو مولوی رحمت اللہ فاروقی (1953-2022) تھے۔ 13 مئی 2022 (12 شوال 1443ھ) کو شب جمعہ میں اردو کا یہ عاشق زار اور ادب و صحافت کا نیر تاباں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اسی دن بعد نماز جمعہ فضل الٰہی مسجد منڈولی جوشی کالونی میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی، جو ان کے بڑے داماد مولانا گوہر امام قاسمی امام شاہی سنگی مسجد پھلواری شریف پٹنہ نے پڑھائی اور تدفین میور وہار قبرستان دہلی میں عمل میں آئی۔ اس وقت ان کی عمر 71 سال سے متجاوز تھی۔ دو ماہ قبل 16 مارچ 2022 کو ان کی اہلیہ کا انتقال ہوا تھا۔ اس حادثۂ فاجعہ کی خبر خود انھوں نے راقم کو دو تین روز بعد دی تھی۔ آہ! کیسی رنجیدگی اور کیسا سوز ان کے لب و لہجے میں تھا؟ سچ تو یہ ہے کہ لفظوں سے ان کے حزن وملال کی عکاسی نہیں کی جاسکتی۔

مولوی رحمت اللہ فاروقی بن محمد سعید بن شیخ سعود (م:2001) 23 اپریل 1953 کو موضع رحیم پور، ٹولہ چاند پور ضلع سمستی پور بہار میں پیدا ہوئے۔ سمستی پور میں ابتدائی تعلیم کے بعد کان پور صوبہ اتر پردیش میں قرآن مجید حفظ کیا۔ بعدازاں جامعہ فاروقیہ سبر حد ضلع جون پور میں داخل ہوئے اور ثانویہ تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1968 میں دہلی کا رخ کیا اور دہلی کی مشہور دینی درس گاہ مدرسہ امینیہ سے تعلیم کی تکمیل کی اور سندِ فراغت حاصل کی۔

مولوی رحمت اللہ فاروقی نے 1970 میں پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات ادیب عالم اور ادیب فاضل پاس کیے، بعد ازاں فارسی کا امتحان منشی فاضل بھی پاس کیا۔ انگریزی میں مہارت بالخصوص ترجمہ نگاری کی صلاحیت کے لیے 1982 میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے گریجویشن کیا اور ترجمہ نگاری کی منفرد صلاحیت پیدا کی۔ اس کے بعد 1987 میں دہلی یونیورسٹی سے فارسی ادبیات میں ایم اے کیا اور قاضی سجاد حسین (1910-1990) کے معاون ٹھہرے۔

1978 میں صحافت سے وابستہ ہوئے اور 'الجمعیۃ' کے ادارتی عملے میں شمولیت اختیار کی۔ اس کے بعد 1987 میں روزنامہ 'قومی آواز' دہلی سے سب ایڈیٹر کی حیثیت سے وابستہ ہوئے جہاں ممتاز صحافی اور مصنف نازانصاری ان کے سینئر اور 'الجمعیۃ' کے مدیر تھے، چناں چہ ان کی سرپرستی میں فاروقی صاحب نے اردو صحافت کا ہنر اور باریکیاں سیکھیں۔ نازانصاری صاحب بھی فاروقی مرحوم کی نیکی و شرافت، وضع داری، خلوص اور صحافت میں مہارت کے قائل تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مولانا رحمت اللہ فاروقی جیسا شریف اور باریک بیں انسان میری نظر سے دوسرا انسان نہیں گزرا۔

روزنامہ 'قومی آواز' دہلی کی ادارت سے فاروقی صاحب اس کے اختتام 2008 تک پوری دیانت کے ساتھ وابستہ رہے۔ 'قومی آواز' کے ذریعے انھوں نے بڑی صحافتی خدمات انجام دیں اور نامور صحافی قرار پائے۔

اس کے بعد ہمارے عہد ممتاز صحافی معصوم مرادآبادی کے روزنامہ 'جدید خبر' دہلی کو اپنی خدمات پیش کیں اور نیوز ایڈیٹر کی حیثیت سے کئی برس کام کیا۔ یہاں بھی 'جدید خبر' کے عملے میں وہ بہت محبوب ومقبول رہے اور متعدد نوجوان صحافیوں نے ان سے صحافت کا ہنر اور اس کی باریکیاں سیکھیں۔ اس کے فاضل مدیر بھی ان کے مداح ہیں۔

اسی دوران فاروقی مرحوم نے نامور اہلِ قلم مولانا سعید احمد اکبرآبادی (1908-1985) کی یادگار ماہنامہ 'برہان' دہلی میں معاون کارکن کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ اسی زمانے میں راقم کے بعض علمی و تحقیقی مقالات ماہنامہ 'برہان' میں شائع ہوئے تو انھوں نے ناچیز کی بڑی حوصلہ افزائی کی۔ بعدازاں راقم کے مضامین ہفت روزہ 'ہماری زبان' دہلی، ماہنامہ 'آج کل' دہلی، 'کتاب نما' اور دیگر رسائل میں چھپے تو اس کی بھی انھوں نے داد وتحسین فرمائی۔ ایک خط میں لکھا کہ:

''عزیز محترم! سلام مسنون

ہفت روزہ ہماری زبان میں آپ کا مضمون 'مکاتیب شبلی: ایک جائزہ' پڑھا، مضمون نہایت بصیرت افروز اور معلومات افزا ہے۔ چالیس پینتالیس سال قبل دورانِ طالب علمی علامہ شبلی کے مکاتیب کا مطالعہ کیا تھا۔ خطوط کیا تھے معلومات کا دائرۃ المعارف تھا۔ علامہ شبلی کے خطوط تو اس قابل ہیں کہ اعلیٰ دینی مدارس کے درجات کے طلبہ کے لیے خصوصی مطالعہ کے لیے داخل نصاب کیے جائیں۔ 'شعرالعجم' پہلے جامعہ پنجاب، پھر چنڈی گڑھ کے امتحانات منشی، منشی عالم اور منشی فاضل میں داخل تھی۔ اس کے بیسیوں خلاصے شائع ہوئے۔ اسی طرح مکاتیب بھی لائق اعتنا ہیں۔

آپ نے بہار کے ضلع مظفر پور کے موضع رسول پور کے ایک مکتوب الیہ خاں صاحب کا نام لکھا ہے۔ کیا ان کی حیات وخدمات کا سراغ مل سکتا ہے۔ پچیس سال قبل آپ اور ضیاء الدین لاہوری کے مضامین برہان میں اشاعت کے لیے آئے تھے، معلوم نہیں وہ اب کس عہدے پر ہیں؟ انھوں نے سرسیّد شناسی کو اپنا موضوع تحقیق بنایا تھا اور آپ نے شبلی کو۔

دعا گو

رحمت اللہ فاروقی۔ دہلی

۲۲/جون ۲۰۱۰ء''

اس مکتوب کے بعد کچھ دنوں تک خط وکتابت کا سلسلہ قائم رہا مگر پھر فون/موبائل نے اس کی جگہ لے لی اور فاروقی صاحب مرحوم اکثر فون کرتے اور دیر تک باتیں کرتے۔ ان کی گفتگو کیا ہوتی معلومات کا ایک خزینہ تھی۔ میری گفتگو سے ان سے کیا ملتا رہا ہوگا لیکن مجھے ان کی علمی وادبی گفتگو سے بڑا فائدہ پہنچتا۔ وہ دنیا جہان کی باتیں کرتے۔ دہلی کی ادبی سرگرمیوں کا تفصیل سے ذکر کرتے اور مجھے کسی کتاب یا حوالہ کی ضرورت ہوتی تو پیری اور ضعیفی کے باوجود اس کے حصول میں لگ جاتے اور فراہم کرتے اور کراتے۔ اکثر مضامین کے عکس بھجواتے۔ بعض رسائل کے انھوں نے تراشے بھی بھیجے اور وہ ان کاموں کو انجام دے کر بے حد خوش ہوتے۔ ڈاکٹر سیّد محمود سابق گورنر بہار کے مختصر وسوانح کی مجھے ضرورت تھی، چناں چہ میں نے ان سے ذکر کیا تو انھوں نے ایک مفصل مضمون کا عکس بھیج دیا جس سے مجھے بڑی آسانی ہوگئی اور ان کی علم دوستی واقعات ہیں، جن سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اردو کا ایسا سچا خادم، عاشق اور جاں نثار نہیں دیکھا۔ حق ان کی مغفرت فرمائے۔

مولوی رحمت اللہ فاروقی مرحوم کے پس ماندگان کا ذکر مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب نے اپنے مضمون میں اس طرح کیا ہے:

''پس ماندگان میں تین لڑکیاں اور دو لڑکے عظمت اللہ تابش اور حشمت اللہ ہیں۔ بڑی لڑکی رافعہ صالحاتی امارتِ شرعیہ کے قاضی نورالحسن میموریل اسکول میں لڑکیوں کی تعلیم و تربیت پر بحیثیت معلّمہ مامور ہیں اور اچھی خدمت کر رہی ہیں۔ ایک لڑکی غیر شادی شدہ ہے۔ جبکہ عظمت اللہ تابش اردو صحافت اور حشمت اللہ تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اس میدان میں مطالعہ جاری رکھے ہوئے ہیں''۔ ...(بقیہ صفحہ 6 پر)

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریک مدیر: محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
معاون مدیران: منور حسن کمال، سالم فاروق ندوی
Assisistant Editors :
Munawwar Hasan Kamal, Salim Farooq Nadwi
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-۶
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***